سید محمد ارشد بخاری ایڈووکیٹ ہائی کورٹ (احمد پور شرقیہ)

ترجمۂ قرآن مجید از جناب سید غلام شبیر بخاری پر ناقدانہ تبصرہ

دوسری صدی ہجری میں فنون عربیت کے ایک جلیل القدر امام گزرے ہیں۔ اصمعی۔ عربی زبان و ادب میں وہ اتھارٹی سمجھے جاتے تھے۔ شعراء جاہلیت کے ہزاروں اشعار نوک برزبان تھے۔ ان کے علم و فضل کے پیش نظر خلیفۂ ہارون الرشید عباسی نے اپنے لڑکوں امین اور مامون کے لئے بطور اتالیق ان کا انتخاب کیا تھا۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ اس جلالت علمی کے باوجود دین کے معاملہ میں ان کی حزم و احتیاط کا یہ حال تھا کہ جب قرآن پاک کے کسی لفظ کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا، تو جواب دیتے کہ عربی زبان ہونے کے لحاظ سے تو اس لفظ کے یہ معنیٰ ہیں اور پھر شواہد کے طور پر اس پر بیسیوں اشعار پڑھ دیتے۔ لیکن آگے فرماتے کہ اللہ نے اپنے کلام میں اس لفظ سے کیا مراد لیا ہے۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔

تفسیر قرآن کے سلسلہ میں یہ احتیاط صرف اصمعی ہی کا وطیرہ نہیں بلکہ سلف صالحین سب کے سب اس معاملہ میں نہایت محتاط تھے۔ وجہ یہ کہ ان کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان گرامی تھا۔

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار (ترمذی جلد۲ صفحہ۱۱۹)

جو شخص نہ جاننے کے باوجود قرآن میں کچھ کہنا شروع کردے تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ اسی لئے تو اعلم الامۃ (۱) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے تھے۔

ای ارض تقلنی وای سماء تظلنی لوقلت فی القرآن مالااعلم (الاتقان)

کون سی زمین میرا بوجھ اٹھانے کو تیار ہوگی اور کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا، اگر میں قرآن میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جو میں نہیں جانتا۔

سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: جو شخص عربی زبان سے پوری طرح واقف نہ ہو اور وہ اللہ کے کلام کی تفسیر کرنے لگے تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں گا (شرح احیاء العلوم الزبیدی جلد ۴ ص ۵۳۹ جلد ۴ بحوالہ شعب الایمان بیہقی) چنانچہ ہر دور میں علماء امت تفسیر قرآن کے سلسلے میں احتیاط سے کام لیتے آئے ہیں۔ اصول تفسیر کے موضوع پر جو کتب لکھی گئی ہیں ان میں شرائط تفسیر پر کافی شرح و بسط موجود ہے۔ علامہ زرکشی کی البرھان، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی الاتقان، سید مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح احیاء العلوم جلد ۴، مناھل العرفان اردو زبان میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی فہم قرآن وغیرہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس وقت ہم جس بزرگ کے ترجمۂ قرآن کے متعلق اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں انہوں نے خود ہی ''کلمات

---

(۱) بخاری مسلم کی ایک طویل روایت میں ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کان ابوبکر اعلمنا۔

ابتدائی" کے ضمن میں مشہور مفسر قاضی بیضاوی رحمتہ اللہ علیہ کے دو جملے بلا ترجمہ نقل کئے ہیں۔ ہم اس سے آگے کے چند الفاظ ترجمہ سمیت یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ مفسر بننے کے لئے کن کن چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔

لا یلیق لتعاطیة والتصدی للتکلم فیھا الامن برع فی العلوم الدینیة کلھا اصولھا وفروعھا وفاق فی الصناعات العربیة والفنون الاربیة بانواعھا۔

"اس (علم تفسیر کے در پے طلب ہونے اور اس میں گفتگو کے لائق وہی شخص ہو سکتا ہے جو تمام دینی علوم اصول اور فروع میں ماہر ہو۔ فنونِ عربیت اور ادب کی تمام اقسام میں فائق ہو"۔

ایک طرف علماء سلف کی یہ محتاط روش اور دوسری طرف دور حاضر کے لکھے پڑھے طبقہ کی جرأت بلکہ جسارت، حیرت ہوتی ہے کہ مبادی علم سے ناآشنا ہونے کے باوجود کیونکر ایک شخص جرأت کر لیتا ہے کہ وہ مفسر قرآن بن بیٹھے یا امہات المسائل میں دخل دینے لگے۔ ایسا شخص یا تو خود پسندی اور خود نمائی کے عارضہ میں مبتلا ہے یا اُس کا ضمیر خوف خدا سے خالی ہے۔ بہر صورت اس کا موجب خواہ کچھ بھی ہو، ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس قماش کے لوگ "فضلّوا واضلّوا" کا مصداق بنتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

اس وقت ہمارے سامنے جناب سید غلام شبیر بخاری صاحب کا ترجمۂ قرآن ہے جس کا نام انہوں نے "اختصار البیان۔ فی مافی القرآن" تجویز فرمایا ہے۔ جہاں تک جناب بخاری صاحب کی شخصیت کا تعلق ہے۔ وہ لکھے پڑھے طبقہ میں ایک جانی پہچانی شخصیت ہے۔ وہ محکمہ تعلیم مغربی پاکستان اور پھر پنجاب میں ایک سینئر افسر رہے ہیں۔ ان کی دیانتداری ضرب المثل ہے۔ ایک باکردار، مستعد اور فرض شناس افسر کی حیثیت سے ان کی محکمانہ خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ عرصۂ دراز تک ان کا تعلق بہاولپور سے رہا۔ صوبائی آفیسر ہونے کی حیثیت سے لاہور بھی ان کا مستقر رہا۔ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے مستقل طور پر لاہور میں رہائش اختیار فرمالی۔

جہاں ہم جناب موصوف کے ان محاسن اور فضائل کا دل و جان سے اعتراف کرتے ہیں، وہاں ہم معذرت خواہ ہیں کہ ان اس کاوش اور خدمت، ترجمۂ قرآن، کے سلسلے میں کھل کر اپنی رائے کا اظہار کریں۔

بجا ہے کہ جناب بخاری صاحب بالقابہ ایک سکالر اور ماہر تعلیم ہونے کے لحاظ سے بہت بلند مقام رکھتے ہیں، مگر ہماری معلومات کے مطابق دینی علوم عالیہ اور فنون آلیہ کے لحاظ سے انہیں ایک سطحی عالم کا مقام بھی نہیں دیا جا سکتا۔ شاید وہ ایم۔ اے اسلامیات کی ڈگری بھی رکھتے ہوں، مگر عربی علوم وفنون میں مہارت تو بجائے خود ماند، بقدر ضرورت بھی اُن سے تعلق نہیں رکھتے۔

شاید بعض احباب کو مغالطہ ہو کہ جناب موصوف کے نام کے ساتھ علامہ کا لفظ بطور سابقہ استعمال ہوتا ہے۔ اور بہاولپور کی مشہور دینی درسگاہ، جو افتادِ زمانہ سے اب مرحوم و مغفور ہو چکی ہے۔ جامعہ عباسیہ کی فائنل ڈگری علامہ کہلاتی تھی تو شاید جناب بخاری صاحب نے بھی یہ ڈگری لے رکھی ہو۔ مگر جہاں تک ہم جانتے ہیں واقعہ یوں نہیں ہے۔ انہوں نے جامعہ عباسیہ کا کوئی امتحان پاس نہیں کیا ہوا۔ جب وہ بہاولپور سے تبدیل ہو کر لاہور محکمہ اوقاف اور محکمہ تعلیم میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے اور مختلف محافل مجالس میں انہیں اپنی فصاحت بلاغت کی نمائش کے مواقع میسر آئے تو وہ "علامہ" کہلانے لگے۔

جناب بخاری کے ترجمۂ قرآن کے بارے میں اظہار خیال سے پہلے ہم دو ضروری باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں ایک تو یہ کہ "کلمات ابتدائی" کے صفحہ نمبر XV میں انہوں نے درج ذیل حضرات کی آراء اور تقاریظ کا خلاصہ دیا ہے جناب صدر مملکت، جناب گورنر پنجاب، جناب گورنر سندھ، سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ شیخ انوار الحق ،چیف جسٹس جناب شمیم حسین قادری، جناب پوپ پال ثانی، جنرل شفیق الرحمن، مرزا ادیب، حافظ الحاج حکیم محمد سعید، پروفیسر اکرم رضا، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر منصورالدین احمد، پروفیسر غلام جیلانی اصغر، مختار مسعودؔ، ہمیں حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی کہ رائے دہندگان اور تقریظ نگاروں کی فہرست میں کسی ایک بھی عالم دین کا نام درج نہیں ہے اور جن لوگوں کے نام درج ہیں مانا کہ اپنے اعلیٰ مناصب کی وجہ سے وہ قابلِ قدر ہیں۔ مگر کیا تفسیر قرآن کے موضوع پر بھی اُن کی آراء اُسی عظمت اور جلالت کی مستحق ہیں؟

کہا جاتا ہے کہ مغل بادشاہ اکبر نے اپنے حجّام کی فنی مہارت کو دیکھ کر اُسے کوئی خطاب دیا۔ وہ بے چارہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ دوستوں عزیزوں کو بُلا کر اُن کو شیرینی وغیرہ کھلائی، مگر حجام کی بیوی نے اس خطاب کی کوئی قدر نہ کی۔ کہنے لگی: بادشاہ کیا جانے اس فن کی نزاکتوں اور باریکیوں کو؟ اگر کوئی ماہرِ فن اس قسم کا خطاب دیتا تو ہم بھی سمجھتے کہ میاں کو کوئی اعزاز ملا ہے۔

جناب بخاری، جگہ جگہ علماء کے اسماء گرامی نقل کر کے ان کی خدمات کی تحسین و ستائش فرماتے ہیں، لیکن اپنے ترجمۂ قرآن کے بارے میں رائے معلوم کر لینے کے لئے انہوں نے کسی ایک بوریا نشین عالم کو بھی درخورِ اعتناء نہ سمجھا۔ فیاللعجب! کیا جناب موصوف کی اس روش سے "دال میں کچھ کالا" کی شان دہی نہیں ہوتی۔

دوسری ضروری گزارش یہ ہے کہ جنابِ بخاری نے فراخ دلی اور رواداری دکھانے میں حدود سے تجاوز فرمایا ہے "کلمات ابتدائی" میں فرماتے ہیں:

"ہر طبقہ متشددین کے ساتھ ایک اعتدال پسند معلّمین کا طبقہ بھی تو ہے، جو ان حقائق کا مبلّغ ہو جن سے قومی اتحاد کی کوششیں مضبوط سے مضبوط تر ہوں۔ جو یہ کہے کہ مجھے قینچی نہیں، سوئی درکار ہے میں کاٹنے کے لئے نہیں آیا ہوں میں تو پھٹے ہوئے دلوں کو سوزنِ محبت سے سینے کے لئے آیا ہوں "(صفحہ نمبر vii)

جناب بخاری، رواداری میں یہاں تک آگے نکل گئے کہ انہوں نے ماضی قریب کے اردو مترجمینِ قرآن میں سے پندرہ نام گنوائے ہیں، جن میں دوسرے علماء و فضلاء کے ساتھ فرمان علی (شیعہ عالم) اور محمد علی لاہوری (بانی لاہوری پارٹی امت مرزائیہ) کے نام بھی درج کئے ہیں۔ بخاری صاحب دست مصالحت اُن کی طرف بڑھانا چاہتے ہیں، مگر انہوں نے اس قرآنی ہدایت کو نظر انداز کر دیا۔

ولن ترضیٰ عنک الیھود ولاالنصریٰ حتی تتبع ملتھم قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ ولئن اتبعت اھواء ھم بعدالذی جاءک من العلم مالک من اللہ من ولی ولانصیرہ

یہود اور نصاریٰ ہرگز آپ سے خوش نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ بن جائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی بتائی ہوئی راہ صحیح راہ ہے۔ اور بالفرض اگر آپ ان کی من گھڑت باتوں کے پیچھے لگ جائیں جبکہ آپ کے پاس علم وحی آچکا ہے تو کوئی نہیں جو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا یارومددگار ہو۔

محمد علی لاہوری، مرزائی امت کے ایک گروہ کا سرخیل ہے اور فرمان علی یاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

حق میں زبان دراز اور ہرزہ سرا۔ پھر ہمارا ان کا کیا رشتہ رہ گیا؟ اس کے باوجود اگر کوئی مسلمان عالم ان کے یا اس کے پیروکاروں کے بارے میں حسن ظن سے کام لیتا ہے، تو معاف کیجئے ہمارے نزدیک وہ شخص سادہ لوحی، ابلہی اور فریب نفس کا شکار ہے۔

گمراہی، خواہ نیک نیتی سے خواہ بدنیتی سے بہرحال گمراہی ہے۔ جس طرح زہر کو شکر کا نام نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح باطل کو حق اور ضلالت کو ہدایت نہیں کہہ سکتے۔

جناب بخاری کی غفلت:

جناب بخاری بے شک، ترجمہ کی بجائے ترجمانی کا فریضہ سرانجام دیں، ان کی مرضی، لیکن ان کی یہ تکنیک ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ کہیں کہیں وہ قرآنی الفاظ کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں۔ چند مثالیں یہاں پر درج کی جاتی ہیں۔ ان میں خط کشیدہ الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

(۱) فبدل الذین ظلموا قولاً غیر الذی قیل لھم۔

ترجمہ: ظالموں نے بجائے یہ کلمہ (ازراہ تمسخر) بدل دیا (ص ۱۰) خط کشیدہ الفاظ کا ترجمہ ندارد

(۲) ووصی بھا ابراھیم بنیۃ و یعقوب یبنی ان اللہ اصطفی لکم الدین ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

ترجمہ: ابراہیم نے اپنے بیٹوں کی یہی کلمات وصیت کئے۔ کہ تمہیں موت نہ آئے بجز اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو (ص ۲۱) یہاں بھی خط کشیدہ الفاظ کا ترجمہ غائب ہے۔

(۳) انّ عدّۃ الشّھور عنداللہ اثنا عَشر شھراً فی کتب اللہ یوم خلق السمٰوٰتُ والارضْ۔

ترجمہ: (ابتدائے آفرینش سے) مہینوں کی گنتی بارہ ہے۔ (ص ۱۹۳)

ولکن کرہ اللہ انبعا ثھم فثبطھم ترجمہ: لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کا اٹھنا اور تیار ہونا پسند نہیں ہے

یہ چند مثالیں تو اتفاقیہ طور پر سامنے آ گئی ہیں۔ اگر تلاش کیا جائے تو نہیں کہہ جاسکتا کہ کتنے قرآنی الفاظ ہوں گے جو جنابِ بخاری کی بے التفاتی کی نذر ہو کر رہ گئے ہیں۔

جناب بخاری کی مشکل پسندی:

بڑی ستم ظریفی سے کام لیا ہے ان تقریظ نگاروں نے جو، جناب بخاری کے ترجمہ کو صاف ستھری ادبی زبان، رواں اور سلیس قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب موصوف نے مغلق اور کنجلک الفاظ کا بے محابا استعمال کیا ہے۔ چند امثلہ ملاحظہ ہوں۔

تنزیلات ربانی۔ مرزوقات ربانی۔ ذلول محنت کنندہ۔ الصلحت کاربائے ستودہ۔ اخرجت خلعت وجود سے سرفراز فرمایا۔ العزیز الحکیم غالب و استوار کار۔ غفورِ صاحب غفران القاعدون قاعدون (بسہولتِ رہین خانہ) مراغماً کثیراً اقامت گاہ بسیار۔

بشر المنفقین بان لھم عذاباً الیماً ذوالوجہین (منافقین) کو عذاب الیم کی تنذیر کرو۔ الماھدون۔ ہموار و سہل گسترانندہ۔ کیا اسی کا نام سلاست ہے؟

بخاری صاحب کی غیر حاضر دماغی:

بعض مقامات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جناب بخاری کو ترجمۂ قرآن پاک میں پوری طرح یکسوئی نصیب نہیں ہوئی اس لئے ان کی حاضر دماغی جواب دے گئی۔ مثلاً حروف مقطعات کے بارے وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ یہ حروف کتنی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں لکھتے ہیں......

"قرآن مجید کی چھے سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے" ص ۳

حالانکہ حروف مقطعات انتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں

پھر انہیں حروف مقطعات کے معانی کے بارے میں کہیں کچھ لکھتے ہیں اور کچھ ملاحظہ ہو۔

الف۔ "لایعلم تاویلہ الا اللہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا) (آغاز سورۃ البقرہ وسورۃ یوسف)

ب۔ ان کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے "صفحہ ۵۱، ۳۰۶، ۳۶۷ وغیرہ

ج۔ اور کہیں ان حروف کے معنے تک تحریر فرما دیئے۔ جیسے طٰہٰ اور یٰسین یہ سہ عملی ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

ایک اور مثال .... سورہ فاتحہ کے متن اور ترجمہ کی Numbering میں فرق پایا جاتا ہے۔ اب اس کو جناب مترجم کی کم التفاتی نہ قرار دیں تو اور کیا کہیں؟

بخاری صاحب کی ایک انوکھی ادا:

جنب بخاری کی یہ جدت بھی ہماری فہم سے بالا تر ہے کہ کہیں کہیں انہوں نے انگریزی عبارتیں نقل کی ہیں تو انہیں انگریزی رسم الخط کی بجائے اردو رسم الخط (نستعلیق) میں لکھا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(الف:۔ ان۔ از۔ دی۔ گریٹ۔ بک۔ قرآن۔۔ اینڈ۔ون۔ نیشن۔ "(صفحہ X سطر ۸ تا ۱۰ فرمان قائداعظم)

ب:۔ مسٹر راجگوپال اچاریہ کے اقوال۔ صفحہ xix اور صفحہ xx

ج:۔ اف۔ آئی۔ ڈو۔ ناٹ۔ گو۔ مائی۔ وے....... اینڈ کنسرننگ۔ ججمنٹ" (صفحہ ۵۵۳ سطر ۹ تا ۱۲)

کیا قارئین سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس شکل میں ان عبارتوں کو پڑھنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟

بخاری صاحب اور تفسیر بالرائی:

جناب بخاری کی ایک اور روش تعجب خیز ہی نہیں بلکہ افسوس ناک بھی ہے۔ وہ یہ کہ ایک طرف تو وہ اپنا رشتۂ تلمذ علماء اھل السنت والجماعت سے جوڑتے اور ان کے مدح سرا نظر آتے ہیں دوسری طرف وہ معجزات وغیرہ کے سلسلہ میں سرسید احمد خان، محمد علی لاہوری (مرزائی) اور ازیں قبیل دیگر مفسرین بالرائی کے متبع نظر آتے ہی۔ تفسیر بالرائی کے بانی اور معلم اوّل برصغیر پاک وہند میں سرسید احمد خان ہیں ان کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی، محمد علی لاہوری (مرزائی) وغیرہ نے اس کو پروان چڑھایا۔ صاحب تفسیر حقانی نے جگہ جگہ سرسید احمد خان پر گرفت کر کے ان کے مزعومات اور نظریات کا بطلان واضح کر دیا ہے۔ اس کے باوجود جناب بخاری ان لوگوں کی ڈگر پر چلتے ہیں تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟

چلئے، اگر بخاری صاحب انہی تاویلات فاسدہ کی راہ پر چلتے ہیں، تو پھر انہیں جرأت سے کام لینا چاہیے، اس سلسلہ میں

کھل کر انہیں اپنے موٴقف کا اظہار کرنا چاہیے۔ یہ تذبذب اور ڈھلمل یقینی کیوں دکھاتے ہیں۔

صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں

کی دورخی پالیسی کیوں اپناتے ہیں؟ ہم یہاں بطور نمونہ تین چار مثالیں عرض کرتے ہیں۔

پہلی مثال:۔

جب بنی اسرائیل گئوسالہ پرستی کے جرم میں مبتلا ہوئی تو انہیں حکم ہوا۔

فتو بوا الی بار ئکم فاقتلوا انفسکم

یعنی تم اپنے خالق کے سامنے توبہ کرو اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ غیر مجرم مجرموں کو قتل کریں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا کیا۔ قدیم جدید مفسرین نے یہی لکھا ہے ڈپٹی نذیر احمد، مولانا مودودی اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بھی یہی لکھا ہے مگر جناب بخاری فرماتے ہیں۔

"اور اپنی جانوں کو مارڈالو (خواہشات نفسانی کا قلع قمع کرو) ص نمبر ۹

دراصل بخاری صاحب نے یہ تشریح محمد علی لاہوری (مرزائی) سے لی ہے۔ اس نے انگریزی ترجمہ ان لفظوں سے کیا ہے۔ "And make yourselves submisive"

قارئین اکتا نہ جائیں تو اس مقام پر چند جملے مولانا دریا آبادی کے بھی سن لیں، فرماتے ہیں اس کھلے ہوئے معنی کو چھوڑ کر بلاوجہ و بلاضرورت قتل کے مجازی معنی مجاہدہ، ریاضت یا نفس کشی کے کرنا، نہ کسی نقلی سند کے مطابق ہے نہ کسی عقلی دلیل کے تحت۔ یہ واقعہ قتل، تاریخ اسرائیل کا ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے۔ توریت کی سند بھی گزر چکی تاریخ کی سب کتابیں اس کو دہرا رہی ہیں۔ سارے دفتر نقل و روایت میں کوئی لفظ اس کے خلاف موجود نہیں۔ رہی عقل سو خدا معلوم دنیا کے پردہ پر وہ کون سی پاگل گورنمنٹ ہے جو اپنے قانون فوجداری کے شدید مجرموں، لٹیروں، ڈاکوؤں، نقب زنوں کو محض معافی طلب کرنے پر چھوڑ دیتی ہے؟ .... آج کے روشن خیال تفسیر نویسوں کی تاویلات بھی عجیب عجیب ہوتی ہیں۔ (تفسیر ماجدی ص ۲۲)

دوسری مثال:

بنی اسرائیل کے لئے یوم السبت یعنی ہفتے کے روز کسب معاش کے لئے کام کرنے کی رکاوٹ تھی کہیں دریا سمندر کے کنارے ماہی گیروں کی ایک بستی تھی، انہوں نے مچھلیاں پکڑنے کے لئے شرعی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حیلوں بہانوں سے کام لیا۔ اس جرم کی پاداش میں ان پر عذاب آیا اور وہ لوگ مسخ ہوگئے قرآن پاک میں یہ واقعہ کئی جگہ آیا ہے...... سورہ بقرہ میں آیا ہے۔ فقلنا لهم كونوا قردة خاسئين۔

یعنی ہم نے ان سے کہا کہ تم ذلیل بندر ہو جاؤ چنانچہ وہ لوگ سامان عبرت بن کر رہ گئے۔

جناب بخاری اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

ہم نے انہیں حکم دیا کہ ذلیل و خوار بندر بن جاؤ (وہ زندگی کی اقدار عالیہ سے محروم ہو گئے اور ذلیل بندروں کی طرح (نقال، بھانڈ، اور ناچے) بن کر رہ گئے (ص ۱۱)

اس آیت کی تشریح و توضیح میں انہوں نے محمد علی لاہوری اور مرزا بشیر الدین (دونوں مرزائی ہیں) وغیرہ کا اتباع کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر قوم نوح علیہ السلام قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ کے واقعات قابل تسلیم ہیں تو اصحاب سبت کے واقعہ میں تاویل کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔؟

تیسری مثال:۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ طور کی پہاڑی تک گئے تھے، ان کو تورات کا پابند بنانے کے سلسلہ میں ان سے عہد و پیمان لیا گیا تھا۔ اس ضمن میں قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا ہے۔

ورفعنا فوقکم الطور اور ہم نے تم پر کوہ طور بلند کیا

ایک دوسرے مقام پر اس واقعہ کا بیان ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

نتقنا الجبل فوقھم کانہ ظلة و ظنوا انہ واقع بھم

ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اٹھالیا گویا کہ وہ سائبان ہے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے۔

مگر بخاری صاحب رفع طور کو معمول سے ہٹ کر کوئی اور شکل دینے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ اس لئے وہ اول الذکر کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "اور طور کی (پر ہیبت بلندیاں تم پر) کھڑی کردیں۔" ص ۱۱

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کوہ طور پہلے سے موجود نہ تھا ابھی اس پہاڑ کو کھڑا کر دیا گیا تھا۔ کیا کسی نقلی روایت یا عقل سے اس توجیہ اور تاویل کو درست قرار دیا جاسکتا ہے؟

چوتھی مثال:

قوم ثمود کے واقعہ میں ایک اونٹنی کا ذکر پایا جاتا ہے۔ یہ اونٹنی معجزانہ طور پر وجود میں آئی تھی مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اپنی ادو اور انگریزی تفسیروں میں اس کی کچھ وضاحت کی ہے مگر جناب بخاری اس اونٹنی کی معجزانہ تخلیق کو تسلیم نہیں فرماتے اس لیے وہ **ھذہ ناقة اللہ** کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں" یہ اللہ تعالیٰ کے نام پر اونٹنی ہے" ص ۱۶۰

پانچویں مثال:

قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے مشہور دنیادار قارن کے قصہ میں فرمایا گیا ہے **فخسفنا بہ وبدارہ الارض** کہ جب اس کی سرکشی عروج کو پہنچ گئی تو ہم نے اس کو اور اسے گھر کو زمین میں دھنسادیا۔ مگر جناب بخاری اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں "مال کار ہم نے قارون کو اس کے گھر والوں سمیت زمین میں دھنسادیا" ص ۳۹۶

ہم یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ دار کا معنیٰ (گھر والوں) کونسی لغات کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

مولانا دریا آبادی، مولانا مودودی، ڈپٹی نذیر احمد تو روشن خیال ہونے کے باوجود پھر بھی "قدامت پسندی" کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ بخاری صاحب محمد علی لاہوری کا ترجمہ ہی دیکھ لیتے ان کا انگریزی ترجمہ ہمارے سامنے ہے وہ ترجمہ یوں کرتا ہے Thus we made the earth to swallow up him and his abode

abode کا ترجمہ ہے رہائش گاہ"

محمد علی لاہوری سے تو بخاری صاحب کو تائید حاصل نہیں ہو سکی البتہ مرزا بشیر الدین محمود (مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا اور خلیفۂ دوم) دار کا ترجمہ قبیلہ سے کرتا ہے شاید بخاری صاحب نے اس سے لیا ہو۔

بخاری صاحب کی گرامر سے ناواقفیت:

جناب بخاری ترجمہ میں کہیں ایسی فحش غلطیاں کر گزرتے ہیں کہ عربی گرامر سے انکی ناواقفیت دیکھ کر قاری کو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ سورہ توبہ کی تیسری آیت میں اعلان فرمایا گیا۔ ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ۔
اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اللہ بھی مشرکین سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی۔ عربی گرامر کے مطابق واؤعاطفہ ہے اور رسولہ کا عطف اللہ پر (محلاً) ہو رہا ہے۔ مگر اس بات کا اندیشہ تھا کہ عربی زبان اور قواعد سے کوئی ناواقف شخص رسولہ کا لفظ المشرکین کے بعد دیکھ کر یہ خیال کر لے کہ اس کا عطف المشرکین پر ہے اور اب اس کا ترجمہ یوں ہوگا کہ اللہ بیزار ہے مشرکین سے بھی۔ اور اپنے رسول سے بھی یہ بات غلط ہو جاتی ہے۔
اب جناب بخاری صاحب ایک قاعدہ بیان فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں اعراب کو الفاظ کی پلیسمنٹ (Pleasement) سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کی مثال میں درج بالا آیت نقل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں یہاں لفظوں کی نشست سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ اس سے مراد مشرکین کا رسول ہے لیکن اعراب نے اس شبہ کو ختم کر دیا۔ حالانکہ اس شبہ کی تو یہیں سے بیخ کنی ہو جاتی ہے کہ رسولہ میں ضمیر مفرد کی اور المشرکین جمع کا صیغہ ہے۔ دھوکہ یہ نہیں لگتا تھا کہ مراد مشرکین کا رسول ہے بلکہ یہ کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کے ساتھ اپنے رسول سے بھی بیزار ہے۔

دوسری مثال:۔

ذوالقرنین کے قصہ میں فرمایا گیا ہے کہ اس نے بین السدین کی آبادی کو یاجوج ماجوج کی تاجوتاراخت سے بچانے کے لئے ایک سد (دیوار) تیار کرادی۔ اس ضمن میں ایک جملہ آیا ہے۔ آتونی افرغ علیہ قطراً......... اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے تم میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لے آؤ، تو میں اس پر ڈال دوں (تفسیر ماجدی) مگر جناب بخاری صاحب عربی گرامر سے ناواقفیت کی وجہ سے افرغ صیغہ واحد متکلم فعل مضارع معلوم کی بجائے اسے واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول کا صیغہ سمجھ بیٹھے اور آپ نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا پگھلا ہوا تانبا لاؤ، اور وہ اس پر ڈال دیا گیا (ص ۳۰۴) جناب موصوف کا یہ ترجمہ نہ تو قواعد کی رو سے صحیح ہے نہ کسی اور ترجمہ یا تفسیر سے اس کی تائید ہوتی ہے انہیں شاید اتنا معلوم نہیں کہ اگر یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہوتا تو افرغ یفتح الغین ہوتا۔

بخاری صاحب کی تاریخ دانی:

جناب بخاری ایک نامور سکالر شمار ہوتے ہیں۔ تاریخ ان کا پسندیدہ مضمون ہے لیکن قارئین درج ذیل اندراجات کو ملاحظہ فرمائیں اور خود ہی رائے قائم کریں۔ کہ جناب موصوف کے قلم سے یہ غلطیاں کیونکر ہیں۔

۱۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام	پیدائش ۲۱۶۰ ق م	صفحہ ۲۱-۲۵۶-۴۵۷
۲۔ سیدنا اسحٰق علیہ السلام	۱۸۸۰ ق م	صفحہ ۳۰۹،-۴۵۷
۳۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام	۳۰۰۰ ق م	صفحہ ۸-۶۳-۳۰۶-۳۰۹-۴۵۷
۴۔ سیدنا یوسف علیہ السلام	۱۹۰۶ ق م	صفحہ ۲۳۶

ان اندرجات کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام کا زمانہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ۸۴۰ سال پہلے اور اپنے والد گرامی حضرت اسحٰق علیہ السلام سے ۱۱۲۰ سال پہلے ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام اپنے دادا سے ۲۶ سے پہلے گذرے ہیں۔

جناب بخاری صاحب کا دینی مسائل میں اجتہاد اور رائے زنی

بخاری صاحب کا علمی حدود اربعہ قارئین کے سامنے ہے، اس کے باوجود قارئین کو یہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ حضرت کہیں کہیں اجتہاد کا بھی شوق فرمالیتے ہیں ارکان وضو کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

اس سلسلے میں میرا طالب علمانہ موقف یہ ہے کہ تکمیل وضو کے دس شرائط ہیں۔ صفحہ xxii اولاً آپ نے یہاں شرائط کا لفظ غلط استعمال فرمایا ہے۔ کسی چیز کی شرط اس سے پہلے موجود ہوتی ہے۔ اس کا جزو نہیں ہوتی۔ ثانیاً آپ نے فرض (رکن) اور سنت کے فرق کو نظر انداز کردیا۔ ثالثاً ہاتھوں اور پاؤں میں دائیں اور بائیں کا فرق کر کے ایک ایک رکن کو دو دو بنا دیا۔ چہارم یہ کہ

الید الیمنی الی المرافق۔ الید الیسری الی المرافق رجلی الیمنی الی الکعبین اور رجل الیسری الی الکعبین لکھ کر عربی زبان پر ظلم ڈھایا ہے۔

الید واحد کا صیغہ اور آگے المرافق جمع کا لفظ علی ھذا القیاس

بہر حال وضو کے چار ارکان کو دس شرائط میں تبدیل کردینا جناب موصوف کے ذوق اجتہاد کا کرشمہ ہے۔

ترجمہ میں بخاری صاحب کی غلطیاں

یوں تو جناب بخاری کے ترجمہ قرآن میں ان گنت غلطیاں پائی جاتی ہیں جن کی نشان دہی کے لئے ایک طویل دفتر درکار ہوگا۔ ہم یہاں مشتے نمونہ از خروارے چند مثالیں درج کرتے ہیں:

یکادالبرق یخطف ابصارھم ترجمہ: عجب نہیں کہ برق ان کی بصیرت ہی اچک لے (۵)

"ابصار" کا لفظ بصر کی جمع ہے اور بصر کے لغوی معنیٰ حاسۃ النظر کے ہیں جبکہ بصیرت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ یہاں بخاری صاحب نے ایک تو صیغہ جمع کو نظر انداز کردیا۔ دوسرا بصر کو بصیرت بنا دیا۔

(۲) انی جاعل فی الارض خلیفہ ترجمہ: مجھے روئے زمین پر اپنا نائب مقرر کرنا ہے (ص ۷ س ۱)

مجھے کا لفظ مجبوری کو ظاہر کرتا ہے۔ انگریزی گرامر میں ایسے جملوں کو OBLIGATORY SENTENCE کہتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر کام میں بااختیار محض ہے اسے مجبور کون کرسکتا ہے؟ (۳) انی اعلم مالا تعلمون ترجمہ: مجھ پر علم و دانش کے جوافق مستحضر ہیں تم پر نہیں ہیں (ص ۷ سطر ۶)

ایک تو قرآنی سلاست کو اغلاق میں بدل دیا ہے دوسرا یہ کہ اللہ کے علم کو مستحضر کہنا غلط ہے۔

(۴) انک انت العلیم الحکیم ترجمہ: ہر آئینہ تیری ذات ہی علم و حکمت کی امین ہے (صفحہ ۷ سطر ۱۳)

اللہ کی ذات امین ہے تو علم و حکمت جائیداد کس کی ٹھہری؟

(۵) وایای فاتقون ترجمہ: اور میری راہ تقویٰ اختیار کرو۔ (صفحہ ۸ سطر ۱۳)

(۶) وانھا لکبیرہ ترجمہ اور یہ (دونوں امور)...... گراں گزرتے ہیں (ص ۸ سطر ۲۲)

ھا ضمیر مفرد کی ہے ترجمہ میں دونوں کا لفظ کیونکر لایا گیا ہے۔؟
(۷) فیتعلمون منهما۔ ترجمہ: وہ ان دونوں سے وہ باتیں منسوب کرتے ہیں (ص ۱۷ سطر ۸)
یتعلمون کا ترجمہ منسوب کرتے ہیں کیونکر ہو گیا جبکہ پیچھے "یعلمن" کا لفظ آچکا ہے؟ پھر اگر ترجمہ منسوب کرتے ہیں ہوتا تو آگے من کی بجائے "الی" آنا چاہیے تھا۔
(۸) ترجمہ: اگر تم تحویل کعبے کے بارے میں تمام آیات بھی لے آؤ (ص ۲۳ سطر ۲۱)
"کعبہ" تو ایک جگہ کا نام ہے نہ اس کی تحویل ہوئی نہ اس پر کوئی جھگڑا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبے کو بدل دیا ہے قبلہ اور کعبہ کے معنوی فرق کو قطعاً ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ تحویل قبلے کی ہوئی تھی نا کہ کعبے کی۔
(۹) فانتهى فاله ماسلف و امره الى الله ومن عادفا اولئک اصحب النار
ترجمہ: سود خوری سے باز آگیا تو اس کے سلف کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے لیکن وہ جس نے روگردانی کی وہ دوزخیوں میں سے ہوگا۔ (ص ۴۸ سطر ۵-۶)
ایک "قولہ ماسلف" اور "امرہ الی اللہ" کو گڈمڈ کر دیا دوسرا "عاد" کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ عاد کا لفظ عود سے بنا ہے اور عود کے معنی ہیں لوٹ آنا دوبارہ ایک کام کر گزرنا نہ کہ روگردانی کرنا۔
(۱۰) تد اینتم بدين الى اجل مسمى فاكتبوه وليكتب بينكم كاتب بالعدل۔
ترجمہ: باہم لین دین کا معاملہ کرو تو ایسی باتیں لکھ لیا کرو اور چاہے کہ تم میں صحیح قانونی طریق کار کے مطابق کسی مقررہ وقت میں وثیقہ نویس لکھ دے (ص ۴۹۔ س ۱ تا ۳)
الی اجل مسمی کا تعلق تداینتم سے تھا اور اسی آیت میں یہ فقہی حکم موجود ہے کہ قرض کا لین دین ہو، تو اس کے لئے میعاد متعین ہونی چاہیے۔ مگر بخاری صاحب نے ترجمہ میں اس قطعہ آیت کو اپنے مقام سے اٹھا کر آگے جا مارا ہے۔ یوں ایک قرآنی حکم غلط ترجمے کی بھینٹ چڑھ گیا۔
(۱۱) فانظروا كيف كان عاقبته المكذبين۔
ترجمہ: اور محاکمہ کرو کہ تکذیب کرنے والی قوموں کا (بلاخر) انجام کیا ہوا۔ (ص ۶۸ سطر ۱۲)
انظروا کا ترجمہ "محاکمہ کرو" کس لغت کی رو سے فرمایا گیا ہے اور اس دوراز کار تکلف کی آخر کیا ضرورت تھی؟
(۱۲) قد اهمت هم انفسهم۔ ترجمہ: جس کی جان پر بنی ہوئی تھی (ص ۱۷۔ س ۲)
ترجمہ غلط ہے۔ صحیح ترجمہ جیسا کہ دوسرے حضرات علماء کرام نے کیا ہے یوں ہے۔ "جنہیں اپنی جانوں کی فکر تھی" "جان پر بن آنا" نہ تو کسی کے اختیار میں ہے اور نہ اس پر کسی کی مذمت کی جا سکتی ہے۔ ایک غیر اختیاری فعل پر کیونکر ملامت کی جا سکتی ہے؟ اور یہاں تو اللہ تعالیٰ نے منافقین کا یہ جملہ نقل فرما کر مسلسل کئی سطروں میں ان کی مذمت فرمائی ہے۔
(۱۳) مايفعل الله بعذابكم ان شكر تم و امنتم وكان الله شكراً عليما۔
ترجمہ: اگر تم شاکر اور ایمان دار بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ تو رحیم اور علیم ہے (ص ۱۰۲)

ایک تو ما استفہامیہ کی وجہ سے کلام میں جو حسن اداء پایا جاتا تھا، اسے ختم کر دیا گیا ہے۔ دوسرا شاکراً کا ترجمہ رحم سے کیا گیا ہے جس کی تائید نہ لغت سے ہوتی ہے نہ کلامِ عرب سے نہ عبارت کے سیاق سباق سے بلکہ سچ پوچھیے تو شکر تم کے مقابلہ میں جو شاکراً فرمایا گیا ہے اس بلاغت کا خون کر دیا گیا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا مودودی، اور ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ ہم نے شاکراً کا ترجمہ "قدردان" سے کیا ہے جو نہایت موزوں اور برمحل ہے۔

(۱۴) فکذبوہ فانجینہ ترجمہ "قوم نوح نے آیات الٰہی کی تکذیب کی اور ہم نے نوح کو نجات دی (۱۵۹)
ہ ضمیر واحد مذکر کی ہے جو (حضرت) نوح کی طرف راجع ہے۔ جناب بخاری نے بلاوجہ اس کا مرجع آیات الٰہی لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہ کی بجائے ھا نہیں فرما سکتے تھے؟

(۱۵) فان استقر مکانہ فسوف تر نی ترجمہ: اگر اس تجلی حق کی تو تاب لاسکا اور اپنے ہوش وحواس بحال رکھے تو تمہیں میرے دیدار کی تاب ہے۔ (ص ۱۶۸ - سطر ۲۰)

استقر واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور اس کی ضمیر الجبل کی طرف راجع ہے۔ تمام قدیم اور جدید مفسرین نے استقر مکانہ کا تعلق پہاڑ سے بیان کیا ہے مگر جناب بخاری نے نہ تو عربی گرامر کو ملحوظ رکھا نہ تفاسیر اور تراجم کو اور اس جملہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جوڑ دیا۔

(۱٦) ولا تظلموا فیھن انفسکم قاتلو المشرکین کافتہ کما یقالو نکم کافتہ (سورہ توبہ : ۳٦)

اس آیت کریمہ سے پہلے فرمایا گیا ہے کہ سال کے بارہ مہینے جن میں سے چار ماہ حرام ہیں اس کے بعد جہاد کے بارے میں دو حکم دیئے گئے ہیں۔ ایک بصورت نہی ہے۔ لا تظلموا۔ یعنی اے مسلمانو! تم ان چار مہینوں میں ان کے احترام کو نظر انداز کر کے اپنے اوپر زیادتی نہ کرو اگر کافر ان مہینوں کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں تو تم کوئی پیش قدمی نہ کرو۔

دوسرا حکم بصورت امر دیا گیا ہے کہ جب کفار سے قتال کی نوبت آئے تو تم لوگوں میں مکمل اتحاد اور یکجہتی نظر آئے اور جہاد کے لئے سب مل کر میدان میں آجاؤ۔ جس طرح کہ وہ متحد ہو کر سب کے سب نکل آتے ہیں۔
جناب بخاری صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ "قاتلو" امر کا صیغہ مہمل ہو کر رہ گیا ہے وہ فرماتے ہیں۔
"تم مشرکین سب کے سب مل کر ان میں قتال سے اپنے آپ پر ظلم نہ کرو" استغفر اللہ! یوں جناب موصوف نے عربی قواعد کا بھی خون کیا اور شریعت کا مسئلہ بھی بدل کر رکھ دیا۔ (ص ۱۹۴)

(۱۷) وسلام علیہ یوم ولد و یوم یموت و یوم یبعث حیا

ترجمہ: سلام ہے اس دن پر جب وہ پیدا ہوا، سلام ہے اس دن پر جس دن وہ مرے اور سلام ہے اس دن پر جب اسے مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ (ص نمبر ۳۰۷)

اللہ تعالیٰ تو اپنے پیارے پیغمبر پر سلام بھیج رہے ہیں، مگر جناب بخاری علیٰ حرفِ جر سے آگے ہ ضمیر مجرد کو نظر انداز فرماتے ہوئے دونوں پر سلام بھیج رہے ہیں۔